ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

Intimation and its Modes in Urdu Poems of Allama Muhammad Iqbal

علامہ محمد اقبال کی اُردو نظموں میں محاکات اور اس کے اسالیب

Shamim Akhtar, MS Scholar, Department of Urdu, GC Women University Sialkot

شمیم اختر، ایم ایس اسکالر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

Dr. Rifat Choudhry, Department of Urdu, GC Women University Sialkot

ڈاکٹر رفعت چوہدری، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

Abstract

This study delves into the versatile aspects of Allama Muhammad Iqbal's poetry, particularly focusing on captivating imagery. Iqbal, an exceptionally versatile figure, expresses profound emotions through poetry, bestowing his verses with exceptional significance. The smooth integration of Urdu poetry and imagery in Iqbal's work skillfully portrays scents, events, and emotions, crafting vibrant mental images. This exploration spans concrete and abstract realms, encompassing the visible and unseen, and the presence and absence of emotions. The impact of imagery in poetry is evident, with each poetic word carrying nuanced references. This infusion of imagery broadens poetic expression and heightens the allure of poetry, transforming each verse into a rich arrangement of layered meanings. In conclusion, our analysis sheds light on the enduring significance of Iqbal's poetic craftsmanship and the lasting impact of his integration of imagery in shaping the rich fabric of Urdu poetry.

Keywords: Allama Muhammad Iqbal, Poetry, Imagery, Versatility, Emotional Expression

کائنات کی مختلف اشیاء اور کیفیات کے صحیح تصور کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے کچھ خیالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان خیالات کے اظہار کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا کہ ان کی تصویر بھی آنکھوں کے سامنے آجائے، محاکات نگاری کہلاتی ہے۔ محاکات اشیاء کی ماہیت کو سمجھانے کے کام آتا ہے، مثلاً "حور" لفظ سے ایک اَن دیکھی شکل ذہن میں قائم ہو جاتی ہے۔ محاکات میں بصری اور غیر بصری اشیاء شامل ہوتی ہیں۔ دریا، پہاڑ اور شجر وغیرہ بعض اوقات تخلیق کار ایسے پُر جاذب طریقے سے الفاظ کا استعمال کرتا ہے کہ مذکورہ اشیاء کا نہ صرف خاکہ ذہن میں منقش ہو جاتا ہے بلکہ اس کی چلتی پھرتی تصویر بھی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے ۔ذہن کی یہ کیفیت تلازمہ اور محاکات کہلاتی ہے۔

محاکات میں چونکہ کسی منظر، واقعے یا امر کی ایسے منفرد انداز میں منظر کشی کی جاتی ہے کہ الفاظ کے ساتھ ساتھ واقعات کی تصاویر بھی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں ،اور محاکات تصویر نگاری سے اگلا قدم ہے، جس میں تصویر کے ساتھ جذبات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان کی بھی بذریعہ الفاظ تصویر کشی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

کی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد اقبال کے کلام میں محاکات کی صفت بدرجہ اتم موجود ہے۔اُن کے اشعار کے مطالعے سے واقعات اور مناظر بھی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔کلامِ اقبال کی محاکات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں پہلا تصوراتی محاکات نگاری ہے، اس کے بعد تہذیبی اور پھر تاریخی محاکات نگاری۔

علامہ اقبال نے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے الفاظ اور شاعری کی معنویت میں ایسے تغیرات اور اختراعات کیے جو ان سے پہلے اور بعد میں کسی کے حصے میں نہیں آسکے۔ اس کے ساتھ ان کے محاکات کی معنویت ایسی جامع اور پرکشش ہے کہ اس میں کوئی خلا یا کمی نظر نہیں آتی۔علامہ اقبال کی ایسی نظمیں جو تہذیبی نکتہ نظر کو بیان کرتی ہیں ان میں عربی، فارسی، اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب کے عناصر ثقافت اور روایات شامل ہیں۔ایسی نظموں میں بھی محاکات نگاری کی معنویت اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہے، وہاں تو اقبال نے کمال کا اعجاز دکھایا ہے جہاں مغربی تہذیب کی معنویت کو بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ اقبال نے اپنی شاعری میں جن علوم، حکما اور مفکرین کا مطالعہ کیا ہے ان میں بھی گہری بصیرت اور معنویت کا راز مضمر ہے۔یوں اقبال نے ایسی عمدہ شاعری کی جو ہر لحاظ اور ہر پہلو سے معنویت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

تصوراتی محاکات نگاری میں اقبال کے ایسے خیالات کارفرما ہیں جن پر ان کی شاعری کی عمارت کھڑی ہے۔اقبال ایسے تصورات کے حامل ہیں جن کا انتخاب سوچے سمجھے بغیر نہیں کیا گیا، بلکہ علامہ نے ان کا انتخاب اپنے ملک و قوم کی ضروریات کے مطابق کیا۔اقبال کی نظمیں ان تصورات کی بہترین عکاسی کرتی ہیں اور ان تصورات میں محاکات نگاری کے بے مثل نمونے نظر آتے ہیں۔ عبدالقادر سروری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> " شاعر کا مضمون مخصوص نہیں ہوتا، اس کا دل مصوری کا آلہ ہوتا ہے، جس میں ہر وہ چیز منعکس ہو جاتی ہے جو اس کے سامنے آجاتی ہے۔اس وقت ہندوستان کی غلام قوموں کے مابین اختلافات اور ان کی خیالی بنیادوں پر جان توڑ کشمکش نے ہر جگہ اُدھم مچا رکھا تھا۔ اقبال بھی ہر دردمند کی طرح اس حالت کو دیکھ کر متاثر ہوتے اور فریاد کرتے ہیں، اسی سبب سے ان کی اس دور کی شاعری میں وطن پرستی کا جز غالب ہے۔ ہمالہ، تصویر درد، نیا شوالہ اور ترانہ ہندی نے۔۔۔۔ نمایاں جگہ دلادی ہے"۔ (1)

نظم "ہمالہ" محاکات کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ نظم ہمالہ میں ایک کوثر و ترنم اور حب الوطنی کی فضا پائی جاتی ہے، جس میں تصوراتی محاکات نگاری کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی خوبصورتی اور وطن سے جذباتی محبت بھی موجود ہے، جو مناظرِ قدرت کی حقیقی معنوں میں تصویر کشی کرتی ہے؛

اے ہمالہ اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں (2)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

شاعر ہمالہ سے یوں مخاطب ہے جیسے شاعر اور ہمالہ آمنے سامنے ہوں۔ علامہ وسیع تخیلات کے حامل تھے۔ وہ ہمالہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تو صرف ہندوستان کی حفاظتی دیوار کے ساتھ ساتھ اس قدر خوبصورت اور بلند و بالا ہے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان تیری پیشانی کو جھک کر چومتا ہے۔ شاعر نے دیرینہ روزی جیسے الفاظ کے استعمال سے یہ حقیقت بتادی کہ تجھ میں بزرگی کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ اقبال نے اس شعر میں کشور ہندوستاں، پیشانی چومنا اور گردش شام و سحر جیسے الفاظ کے استعمال سے ہمالہ کا نقشہ آنکھوں میں گھما دیا ہے۔

علامہ اقبال کی نظم "ایک شام"، قیام جرمنی کی یاد ہے، اس نظم میں دریائے نیکر کے کنارے پر سکون خاموشی کی بذریعہ الفاظ ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انسان بذات خود دریائے نیکر جو ہائیڈل برگ کے کنارے بہتا ہے پر خاموش کھڑا فطرت کی خوبصورتی کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ وہاں موجود ہر چیز قمر کی چاندنی، شجر، کہسار، علاقہ مکین اور فطرت پر ایسا خاموشی کا لرزہ طاری ہے، جیسے فطرت شب کی آغوش میں سو گئی ہو۔ دریائے نیکر کا خاموشی سے بہنا ظاہر کرتا ہے کہ فطرت مراقبے میں چلی گئی ہے۔ علامہ اقبال الفاظ کو استعمال کرنے کا فن بخوبی جانتے ہیں۔ پڑھنے والے کے ذہن میں بھی وہ تصویر بنا دیتے ہیں، جو ان کے اپنے ذہن میں موجود ہوتی ہے؛

خاموش ہے چاندنی قمر کی
شاخیں ہیں خاموش ہر شجر کی
وادی کے نوافروش خاموش
کہسار کے سبز پوش خاموش
فطرت بے ہوش ہو گئی ہے
آغوش میں شب کے سو گئی ہے
خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا
قدرت ہے مراقبے میں گویا (۳)

"ساقی نامہ" کو اقبال کی شاعری کا نچوڑ اور بال جبرئیل میں اس کی حیثیت ایک روح کی سی ہے۔ ساقی نامہ دیگر اصنافِ ادب کی طرح فارسی سے اُردو میں آیا اور ساقی نامہ سے اُردو شاعری میں مے خانہ، ساغر، موج مینا اور حسن و شباب جیسے موضوعات سے صفحے رنگ دیے گئے۔ علامہ اقبال کی شاعری کی بات کی جائے تو ان کے کلام میں میخانہ بھی ایک پیمانہ ثابت ہوتا ہے۔ شراب جسے عموماً خمار اور مستی کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، اقبال کے نزدیک شرابِ خودی ہے جو بے جان میں جان ڈال دے۔

عموماً کلام اقبال کے تین ادوار ہیں؛ اوّل فطرت نگاری، دوّم وطن سے محبت اور سوّم بین العوامی اسلامی معاملات۔ ساقی نامہ اگرچہ آخری دور کی یاد گار ہے، مگر اس کا پہلا بند، ان کے دورِ اول یعنی فطرت نگاری کی یاد دلاتا ہے۔ موسم بہار کی دلفریب اداؤں کو بیان کیا گیا ہے اور اقبال نے ایسی محاکات نگاری پیش کی، جس کی مثال نیچرل شاعری میں کہیں نہیں ملتی۔ وہ بہار کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بہار کی آمد پر پہاڑوں کے دامن میں بھی رنگ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

برنگ کے پھول کھل اٹھے ہیں جو نظر کو خیرہ کرتے ہیں، وہاں عمدہ قسم کے پھول کھلے ہیں جن میں گل، نرگس، سوسن، نسترن اور لالہ کے پھول شامل ہیں۔ پھول قدرت کا ایک ایسا خوبصورت تحفہ ہے جس کا جادو موسم بہار میں چار سو پھیل جاتا ہے اور پھولوں کی مہک اس قدر زیادہ ہے کہ پرندے بھی فضاؤں میں جھوم رہے ہیں۔ موسم بہار کے جادوں میں پہاڑ اور دریا بھی مگن ہیں۔ اقبال نے ایک ساتھ پھول، پہاڑ، دریا اور ندی کے ذکر سے سارے منظر نامے کو ذہن میں اتار دیا ہے ؛

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کہسار
گل و نرگس و سوسن و نسترن
شہید ازل لالہ خونی کفن
فضا نیلی نیلی ہوا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور
وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
الکتی لچکتی سرکتی ہوئی (۴)

علامہ اقبال ایک ہمہ گیر شاعر ہیں، ان کی شاعری میں جہاں فطری مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے، وہاں دنیا کی مختلف تہذیبوں کی بھی بذریعہ شاعری تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ مشرقی اور مغربی تہذیب پر کلام اقبال میں محاکات نگاری کے عمدہ نمونے موجود ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جگہ جگہ مشرقی تہذیب کی تبلیغ کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اہل مشرق کو اہل مغرب کی خوبیاں، کارنامے اور صلاحیتیں یاد دلا کر خواب غفلت سے جگاتے رہے۔ اقبال ایک درد مند دل رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ مشرقی، مغربی، فارسی اور عربی شعر و ادب سے کافی متاثر تھے۔ علامہ اقبال کی تہذیبی محاکات نگاری پر ہندی تہذیب کے اثرات ابتداء سے نظر آتے ہیں۔ کلام اقبال میں ہندی تہذیب و ثقافت کا رنگ بلا امتیاز مذہب و ملت نظر آتا ہے۔ علامہ اقبال نے مختلف ہندی شخصیات پر اپنا قلم اٹھایا، جس میں کہیں رام، گوتم بدھ، رام چندر جی، نانک اور کہیں گنگا، ہمالیہ اور ہندوستانی بچوں کا قومی گیت شامل ہے۔

قوم نے پیغام گوتم کی ذرا پروا نہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں
پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا (۵)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

گرونانک سکھ مذہب کے بانی اور وحدانیت کے قائل تھے۔ یہ نظم تہذیبی محاکات نگاری کی ایک روشن مثال ہے، جس سے نہ صرف گرونانک کے عقیدہ کا پتہ چلتا ہے، بلکہ ہندوستانی تہذیب کی تصویر بھی نظر آتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل ہند (ہندومت) گرونانک جیسے بلند پایہ انسان کی تعلیمات سے یکسر محروم رہے اور اس سے اغیار فائدہ اٹھاتے رہے۔

علامہ اقبال کی نظم "سید کی لوح تربت" بھی تہذیبی محاکات نگاری کی ایک بہترین مثال ہے۔ سر سید احمد خاں جو ابتداء سے ہی مسلمانوں کی تہذیب کو سنوارنے کا درس دیتے تھے، ان کا رسالہ "تہذیب الاخلاق" اس کی روشن مثال ہے۔ اس نظم میں سر سید احمد کی تربت کا کتبہ ہندوستانیوں سے مخاطب ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی کے مسائل کو سلجھانے میں مصروف ہو، یہ تہذیب کا شیوہ نہیں، ان لوگوں کی طرف بھی نگاہ فرماؤ جو حصول آزادی کے لیے کوشاں ہیں۔ سر سید کا کتبہ ایک خیالی گفتگو ہے؛

اس چمن کے نغمہ پیراؤں کی آزادی تو دیکھ
شہر جو اجڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو دیکھ
سنگ تربت ہے میرا گرویدہ تقریر دیکھ
چشم باطن سے ذرا اس لوح کی تحریر دیکھ (۶)

علامہ اقبال کی نظم "مسجد قرطبہ" میں بھی ایسے اشعار موجود ہیں جن کے مطالعے سے جرمنی کا ہنگامی دور سامنے آجاتا ہے۔ دراصل سولہویں صدی میں جرمنی میں شروع ہونے والی ریفارمیشن یعنی اصلاح کی تحریک یہی وہ تحریک تھی جس کی بدولت عیسائیت کے دو گروہ سامنے آئے، کیتھولک اور پروٹیسٹنٹ، جس میں مارٹن لوتھر نے اہم کردار ادا کیا؛

دیکھ چکا المنی، شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں (۷)

"مسجد قرطبہ" میں علامہ اقبال نے عربی شہسواروں اور مردان حق کو بھی پیش کیا، کیونکہ ہسپانیہ میں داخل ہونے والا پہلا گروہ عربی النسل تھا۔ وہ لوگ اندلس کی سرزمین پہ بھی عربی اخلاق، ثقافت اور تہذیب کی عکاسی کرتے تھے، جس میں طارق ابن زیاد جیسے لوگ شامل تھے۔ یہ عربی تہذیب کی خاصیت تھی کہ مسلمان وہاں حکمراں ہونے کے باوجود خود کو فقیر خیال کرتے تھے۔ عبدالرحمن اول جو بانی مسجد قرطبہ تھا، کا تعلق بھی تو عرب تہذیب سے تھا۔ کلام اقبال کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ عرب تہذیب کیسی خصوصیات کی مالک تھی، جیسے عبدالرحمن کا بیٹا ہشام جس نے تعمیر میں بڑا اہم کردار ادا کیا، وہ نہایت سخی پرور، عادل، عاجزی اور سادگی پسند حکمران تھا۔ یہ اس کی تہذیب کا خاصا تھا کہ وہ جاہ و حشمت، ریشمی لباس اور شہرت سے کوسوں دور رہنا پسند کرتا تھا، غریبوں کی حاجت روائی سے خاص لگاؤ تھا۔ یہ لوگ ہسپانیہ میں بھی اپنی تہذیب کے زندہ نشان تھے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

کعبہ ارباب فن سطوت دین مبیں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم، صاحب صدق ویقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز عجیب
سلطنت اہل دل فقر ہے، شاہی نہیں
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز (۸)

مسجد قرطبہ یورپ میں اسلامی تہذیب کا ایک عظیم الشان نمونہ ہے، جس کا اعتراف وہاں کے تحقیق نگاروں نے بھی کیا۔ فرانس میں علامہ اقبال کی ملاقات ایک عالم "میسی نون" سے ہوئی جو مسلمانوں کے قیام یورپ پر تحقیق کر رہا تھا۔ اس نے کہا یورپ پہ مسلمانوں کے بہت سارے احسانات ہیں جن میں سے ایک تہذیبی اعتبار سے بھی ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں نے اپنی تعلیم اور طرز معاشرت کی بدولت یورپ کو بیدار کیا ہے۔ مسجد قرطبہ اسلامی تہذیب کے تعمیر فن کا ایسا شاہکار ہے کہ سالوں گزر جانے کے باوجود آج بھی مسلمانوں کے آثار واحوال اور نشانات کی جھلکیاں دکھاتی ہے۔

کلام اقبال میں تاریخی محاکات نگاری کی بات کی جائے تو اس میں شرق وغرب کا ادب اور تاریخ شامل ہے۔ علامہ جہاں مشرقی ادب پر گہری نظر رکھتے تھے، وہاں مغرب سے بھی انجان نہیں تھے۔ کلام اقبال میں تاریخی محاکات نگاری کے نقطے عموماً ہر جگہ نظر آتے ہیں، جس میں خاص طور پر اسلامی، مشرقی اور مغربی تاریخ کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، جس پر علامہ نے ایسی نظمیں پیش کیں جن کو پڑھنے سے پورا تاریخی منظر نامہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔

"شکوہ" ۱۹۱۱ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی گئی۔ نظم شکوہ کا تاریخی طور پر اس زمانے کی یاد ہے جب سلطنت عثمانیہ کے بہت سے علاقے برطانوی قبضے میں تھے۔ ایران عملی طور پر روسی، جرمن اور برطانوی سلطنت کے زیر اثر تھا۔ عرب نیشنلزم کے تحت عرب، ترک کے خلاف بغاوت میں حصہ لے رہے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے لیے بہت سارے مسائل جنم لے رہے تھے۔ لادینیت کو فروغ مل رہا تھا اور صیہونی عثمانیوں کی تباہی کے لیے خفیہ سازشیں کرنے میں مصروف تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ وہ یا تو کانگریس کے حامی تھے یا پھر مذہب کے بارے میں معذرت خواہانہ فکر کے مالک بنتے جا رہے تھے۔

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی
ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے؟
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض، بت شکنی کیوں کرتی! (۹)

بظاہر اس نظم میں مسلمانوں کی طرف سے شکوہ کیا گیا ہے، مگر معنوی طور پر ان اشعار میں ایک معرکہ آراء تاریخ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علامہ نے ان اشعار میں یورپ کے کلیسا، افریقہ کے تپتے صحرا، جہاں داروں، تیغ زنی، سر بکف اور بت شکنی جیسے منفرد الفاظ کے استعمال سے مسلمانوں کی شاندار تاریخ کی طرف ذہن کو گھما دیا ہے۔ ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ یونان، البانیہ، بلغاریہ، ہنگری اور آسٹریا تک پھیل چکی تھی۔ دوسری طرف اٹلی اور سپین جو یورپ کی جان تھے، جہاں آج کلیسا کے پیروکار ہیں، وہاں بھی ایک دور میں مسلم امت کی اذانیں گونجتی رہی ہیں۔

علامہ کی نظم شکوہ میں شکوہ کے ساتھ ساتھ غم سے نڈھال قوم کو ماضی کے سرخ صفحات کو بذریعہ الفاظ صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے تاریخ کا ایک پورا صفحہ آنکھوں کے سامنے لے آئے ہیں۔ علامہ نے نظم شکوہ میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو شاعری کم اور مصوری زیادہ نظر آتے ہیں اور پوری تاریخ کو بھی آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں۔

اسالیب اقبال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت کی طرح ان کا اسلوب بھی ہر پہلو کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، جس میں فلسفہ، تاریخ، مذہب، تہذیب، تصوف، تصور، تمدن، ثقافت، انسان، خودی، خدا اور کائنات سے متعلق مختلف النوع اسالیب نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے جذبات کے اظہار کے لیے کبھی خطیبانہ اسلوب کو اپنایا، کبھی فلسفیانہ اسلوب کو، کبھی مکالماتی، کبھی موسیقیت اور کبھی غنائیہ اسالیب کو اپنا کر مخصوص اور منفرد انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ اقبال کے خیالات کی طرح اس کے اسالیب بھی مخصوص مقاصد لیے ہوئے ہیں، جن کا مطمع نظر سامعین کو مسرور کرنا نہیں بلکہ انہیں راہ عمل پر گامزن کر کے فطرت کے قریب لانا اور زندگی کو حرکت کا نشان بنانا ہے۔

اقبال کی شاعری کا ہر لفظ اپنے اندر نہ صرف گہری معنویت رکھتا ہے بلکہ انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر بھی رکھ دیتا ہے۔ اقبال ایک ایسے شاعر ہیں جن کا تعلق اسلوب کے بناؤ سنگھار سے نہیں ہوتا، وہ عملی زندگی کی طرح اشعار میں بھی ان کی معنویت کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اقبال نے اُردو شاعری میں موجود فرسودہ روایات اور پرانے استعارات و تشبیہات کو نہ صرف رد کیا بلکہ ان کو نئے انداز میں استعمال کیا اور شاعری میں ایسی نئی روش کی بنیاد ڈالی جو روایت سے ہٹ کر تھی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

علامہ اقبال نے نظم "اسیری" ۱۹۱۹ء میں تحریر کی، اس نظم کا نام ہی بطور تلمیح استعمال ہوا ہے، اس کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ علی برادران جو قید ہو چکے تھے، جب فرنگی قید سے نجات حاصل کی تو سیدھا امرتسر پہنچے۔ ان کے استقبال میں تحریک خلافت کے زیر نگرانی ایک جلسہ بھی منعقد ہوا تھا۔ یہ نظم اگرچہ ۱۹۱۹ء کی یادگار ہے مگر اس کے پڑھنے سے دور حاضر کی سیاست اور حالات بھی اس دور کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ اقبال کا فن ہے کہ وہ اسیری کو بھی انسانی فطرت کی تربیت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور تلمیح سے تحریک خلافت کا زمانہ آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں۔ دراصل اقبال نے اس نظم کی بدولت اسیری اور زندان کا ماحول آنکھوں میں پھر جاتا ہے؛

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرہ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند
مشک اذ فر چیز کیا ہے، اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت، مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند(۱۰)

اقبال کی تلمیحات کے متعلق اکبر حسین لکھتے ہیں؛

"اقبال کی تلمیحات واشارات کو دیکھنے کے بعد ایک ہی رائے قائم کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کا ایک پیغام ہے، ایک نصب العین ہے۔ اسی پیغام اور نصب العین کو پہنچانے کے لیے وہ تاریخ عالم کی شخصیات اور تحریکوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں ہر قسم کی تحریکات اور شخصیات شامل ہیں سیاسی بھی، ادبی بھی، اخلاقی بھی، مذہبی اور فلسفیانہ بھی جہاں اور جس سے ان کے نصب العین کی تائید ہوتی ہے اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے خون جگر کے آمیزش سے اس کے حسن اور افادیت میں اضافہ کر دیتے ہیں"۔(۱۱)

"معزول شہنشاہ" علامہ اقبال کی نظم ارمغان حجاز میں شامل ہے اس نظم میں علامہ اقبال نے ایسی تشبیہات استعمال کی ہیں جن کے پس پردہ مغربی جمہوریت پر تنقید کی گئی ہے؛

شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
جس کو کر سکتے ہیں، جب چاہیں پجاری پاش پاش
ہے یہ مشک آمیز افیوں ہم غلاموں کے لیے
ساحر انگلیس! مارا خواجہ دیگر تراش(۱۲)

علامہ اقبال نے سیاسی اور تمدنی مطلب کو واضح کرنے کے لیے افیون کی تشبیہ استعمال کی ہے۔ اس تشبیہ سے علامہ یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ افیون ایسا نشہ ہے جو غلاموں کو بیدار نہیں ہونے دیتا اور اگر وہ بیدار ہونے کی کوشش کریں تو حکمران کی ساحری اسے پھر سلا دیتی ہے۔ یہ نظم علامہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

نے ایڈورڈ ہشتم شاہ انگلستان کو جب تخت سے اتارا گیا اس وقت لکھی ایک ایسا بادشاہ جو بظاہر تو بہت طاقتور نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں برطانوی حکمرانی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ دراصل شاہ امریکن عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا جو برطانوی شاہی کے خلاف تھا۔ اس نے سلطنت تو چھوڑ دی مگر ان کے قانون کو نہیں مانا، یہ بات ہندوستان کے لیے ایک جھٹکے سے کم نہیں تھی کہ ایسے بادشاہ کو بھی اپنے ملک کے قانون کا احترام کرنا پڑتا ہے۔

ایسے میں علامہ برطانوی شاہی کی اصلیت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ حکومت اس کا رعب و دبدبہ محض غریب اور محکوم لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ہے اور جو شاہی خاندان میں بارعب بادشاہ بنائے جاتے ہیں محض وہ نظر کا دھوکا ہے، حقیقت میں تو وہ جب چاہیں اس بادشاہ کے بت کو گرا دیتے ہیں۔ شاہی بادشاہت ہندوستان کے لیے ایک افیون کی طرح ہے، جو ہندوستانیوں کو ہوش میں نہیں آنے دیتی اور ہر وقت اس کا نشہ طاری رہتا ہے۔ علامہ کے کلام میں جابجا افیون، ساحر الموط کی تشبیہات پائی جاتی ہیں۔

"ساقی نامہ" میں استعاروں کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس نظم میں زیادہ تر علامتی استعارے استعمال کیے گئے ہیں، یہ استعارے زندگی کے فلسفے کو بیان کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک زندگی حرکت کی علامت ہے، اگر اس میں حرکت نہیں تو یہ جمود ہے اور جمود انسانوں کی موت ہے۔ یوں تو ساقی نامہ کا پہلا بند منظر نگاری پر مشتمل ہے، مگر اس میں عمدہ استعارے بھی موجود ہیں، جو اقبال کی فکر سے وابستہ ہیں۔ ان استعاروں کی بدولت اقبال نے ہندوستان کی خوبصورتی کو بذریعہ ہمالہ بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کے موضوع کو بھی استعارے کی شکل میں پیش کیا گیا؛

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار
جہاں چھپ گیا پردہ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے
دل طور سینا و فاراں دو نیم
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا(۱۳)

ڈاکٹر قیصر زماں اقبال کے استعارات کے متعلق لکھتے ہیں؛

"اقبال کے یہاں کچھ خاص انداز کے استعارے ہمیں ملتے ہیں ان استعاروں میں فکر و فن کی ایسی آمیزش ہے کہ جس کے سبب اکثر اہل فکر کی نگاہیں خیرہ رہ جاتی ہیں وقت کا تجربے کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کی معنویت کی پرتیں اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

رموزوکنایات منکشف ہوتے جاتے ہیں۔۔۔۔۔اقبال کی شاعری بو قلموں عناصر سے مرکب تھی اس لیے ان کی شاعری میں استعمال شدہ استعارے بھی بو قلموں ہیں"۔(۱۴)

علامہ کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں نفسیات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ ایسی نظم ہے جس میں اقبال نے خیالی اسمبلی تشکیل دی ہے، جس کا سربراہ ابلیس اور اس کے ساتھ شیطانی ٹولہ شامل ہے۔ اس نظم میں اقبال نے جس انداز میں شیطان کی حکمت عملی اور پالیسی کا ذکر کیا ہے ان میں کمزور، مزدوراور ناتواں طبقے کی نفسیات بھی شامل ہیں، جو ابلیس کے ہٹ پوائنٹ پر رہتے ہیں۔ ابلیس ہو یا انسان استحصال کمزوراور مزدور کا ہی کیا جاتا ہے۔ ابلیس کے مطابق اس دنیا کی حیثیت ایک کھیل سے زیادہ نہیں، جس میں ڈرامے کی طرح لوگ آتے ہیں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ اس میں تخریبی کاروائیاں پیدا کرنا ابلیس کے لیے کوئی بڑا کام نہیں، ابلیس تو روزِ اول سے ہی اس امر پر کام کر رہا ہے؛

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں (۱۵)

ملوکیت ایک آمرانہ بادشاہت ہے، جس میں ایک شخص کے سامنے اس کی عوام بے بس ہوتی ہے۔ نظام حکومت ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ لوگوں کے حقوق کا استحصال کر سکتا ہے، ناتواں طبقے کو دبا سکتا ہے۔ زندگی کی اس کشمکش میں کمزور عوام کی نفسیات کو کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔ مسجد، مندر اور کلیسا سے اس کے پیروکاروں کا ایک جذباتی رشتہ موجود ہوتا ہے، مگر ابلیسی کاروائیوں نے لوگوں کے دلوں میں ان کی عبادت گاہوں کے متعلق نفرت پیدا کر دی، جس سے مذہب کی محبت تو جاتی رہی، مگر اس کے ساتھ ان کی نفسیات کو بھی نقصان پہنچا۔ دنیا میں دو طبقات کا تصادم ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ ایک امیر طبقہ ہے، دوسرا غریب۔ امیر لوگ ہر حیلے بہانے، جائز اور ناجائز طریقے سے دولت اکٹھی کرتے رہتے ہیں۔ غریب کا حال مختلف یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ پیدا ہی ان وڈیروں اور بااثر لوگوں کی خدمت کے لیے ہوا ہے۔ ان کے اس امر کو ابلیس نے تقدیر کے نام سے غریب کے ذہن میں بٹھا دیا ہے۔ اس میں بھی ایک نفسیاتی پہلو موجود ہے کہ جب غریبوں کو استحصال ہوتا ہے، ان کی عزتیں، مال اور جائیداد پر غاصبانہ حملے کیے جاتے ہیں، تو نفسیاتی طور پر ان کی زندگی پیچیدگیوں کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ ان کے نفسیاتی مسائل عام انسان سے بڑھ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ بعض اوقات سائیکی کی صورت میں بھی سامنے آتا ہے۔

"جواب شکوہ" میں علامہ نے بڑے عمیق اشارے استعمال کیے ہیں۔ یوں تو اس میں شکوہ میں علامہ نے جو احتجاجاً سوال کیے تھے، جواب شکوہ میں ان کے جوابات ہیں۔ اس میں علامہ نے ندائے غیب کو بڑے پر کشش شعری انداز میں پیش کیا ہے۔ بلیغ اشارات اور کنایات نے ان کے حسن میں اضافہ اور عجیب پر فسوں کیفیت پیدا کر دی ہے، جن میں رنگ تغزل بھی نظر آتا ہے۔ یوسف حسین خاں کے مطابق جو نظم غزل کے قریب ہوتی ہے اس کی حسن کاری بڑی دل آویز ہو جاتی ہے۔؛

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خم بھی نئے
حرم کعبہ نیا، بت بھی نئے، تم بھی نئے
شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نو بود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاری تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو (۱۶)

اقبال کے کلام میں " لالہ " کی علامت موجود ہے۔ ابتدا میں تو لالہ محض ایک خوبصورت پھول ہے، جو حسن کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ ابتدا میں علامہ لالے سے وہ کام جو وہ لینا چاہتے تھے نظر نہیں آتا، مگر جب اقبال یورپ کے سفر سے واپس لوٹے، تو اس میں وہ اہمیت پیدا ہو چکی تھی جو معنویت سے بھرپور ہے، علامہ نے اصطلاحات کو پرکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس دور میں لالے کی علامت بھی ایک نئے روپ میں سامنے آتی ہے۔ علامہ سے پہلے محض لالہ ایک پھول تھا، مگر اقبال نے اسے صحرائی صفت سے متصل کر کے نئے معنی پیدا کر دیے۔ "بلاد اسلامیہ" میں لالہ کا وہ منظر دیکھا جا سکتا ہے؛

یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامان ناز
لالۂ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیب حجاز (۱۷)

اس دور میں لالہ صحرا سے، علامہ نے تہذیب حجاز کی تصویر پیش کی ہے۔ اقبال کے نزدیک مذہب بھی تہذیب کا لازمی جز ہے۔ عرب کا زیادہ تر علاقہ صحرا پر مشتمل ہوتا ہے، اس طرح اقبال نے صحرا سے عرب کی ثقافت کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب علامہ کی فکری معنویت میں اضافہ ہوا تو یہی علامت پہلے بلال اور پھر ماہِ کامل کی صورت میں نظر آنے لگی۔ پھر علامہ کو لالے اور امتِ محمدی میں بہت ساری خصوصیات مشترک نظر آنے لگیں۔ لالہ دوہری اہمیت رکھتا ہے، ایک تو پھولوں میں سب سے جدا، دوسرا مسلمانوں کی ثقافت سے بھی ملتا جلتا ہے۔ نظم "شکوہ" میں علامہ نے لالے کے ذاتی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے، جس سے لالہ پر لگنے والا الزام کہ لالہ جگر سوخت عشق کا حامل نہیں، بھی صاف ہو جاتا ہے۔ علامہ نے مناظرِ فطرت کی جو تصویر کشی کی دراصل وہ ان کے وارداتِ قلبی کے اظہار کی علامات ہیں۔ سید عابد علی لکھتے ہیں؛

"فن کار مناظرِ فطرت کو اپنے جذبات اور وارداتِ قلبی کی تصویر کشی کے سلسلے میں پس منظر کے طور پر استعمال کرے یا مناظر فطرت کو انسانی افعال و اعمال یا جذبات سے اس طرح مربوط کر دے کہ جذبے کی تصویر منظر فطرت کے چوکھٹے میں جڑی ہوئی نظر آئے شعر میں فطرت کا پس منظر یا تو انسانی جذبات اور اعمال و افعال سے ہم آہنگ ہوتا ہے یا مختلف"۔ (۱۸)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

اقبال کے ہاں "لالہ" ایک بڑی خوبصورت علامت ہے جسے وہ ذاتی طور پر بھی بہت پسند کرتے تھے۔ دراصل سرخ رنگ کی کوئی بھی چیز یا شکل ہو اس کا رنگ گہرا سرخ ہو، یا ہلکا سرخ، سیاہی مائل یا شفق کی سرخی جیسا یعنی سرخ رنگ سے ملتا جلتا نمونہ دکھانے کے لیے علامہ ہمیشہ "لالے" کو ہی بطور علامت استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی نظم "بزم انجم" میں شفق کی سرخی کے لیے بھی علامت لالہ استعمال کرتے ہیں؛

سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو
طشت افق سے لے کر لالے کے پھول مارے
پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے (۱۹)

محاکات اور اُردو شاعری کا رشتہ ابتدا سے موجود ہے، مگر علامہ اقبال کے کلام میں محاکات نگاری کے منفرد نمونے موجود ہیں۔ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر علامہ نے قلم نہ اٹھایا ہو اور اسے آنکھوں کے سامنے گھما کر نہ رکھ دیا ہو۔ تصورات ہوں، تاریخ یا تہذیب ہر صنف میں محاکات نظر آتی ہے۔ اقبال کی شاعری کا خاصہ ہے کہ اس کے الفاظ چلتی البم معلوم ہوتے ہے۔ اقبال چونکہ وسیع خیالات اور تصورات کے حامل تھے اور انہوں نے اپنی شاعری میں ایسے جامع الفاظ استعمال کیے کہ ان کی پوری داستان تصویروں کی شکل میں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے، جس کی شاندار مثالیں ان کے کلام میں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال نے اسالیب میں محاکات کو مختلف انداز میں استعمال کیا جس میں محاکات تلمیح، تشبیہ استعارہ، اشارہ و کنایہ، صنائع وبدائع اور علامات کی صورت میں نظر آتی ہے جو ان کی آفاقی اور ادبی شخصیت کو ظاہر کرتی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

حوالہ جات

۱۔عبدالقادر سروری، آثاراقبال،(مرتبہ،غلام دستگیر رشید)طبع دوم،رزاقی مشین پریس،حیدرآباددکن،۱۹۴۶،ص۱۱۷

۲۔محمد اقبال،کلیات اقبال(اُردو)ص۵۱

۳۔محمد اقبال،کلیات اقبال(اُردو)،ص۱۵۴

۴۔محمد اقبال،کلیات اقبال(اُردو)،ص۴۵۰

۵۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۲۶۹

۶۔محمد اقبال،کلیات اقبال اُردو،ص۸۴

۷۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۴۲۶

۸۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۴۲۴/۴۲۵

۹۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۱۹۱/۱۹۲

۱۰۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۲۸۱

۱۱۔اکبر حسین قریشی،ڈاکٹر،مطالعہ تلمیحات واشارات اقبال،انجمن ترقی اُردوہند،علی گڑھ،۱۹۷۰ء،ص۴۰۹

۱۲۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۷۲۱

۱۳۔ محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۴۵۰/۴۵۱/۴۵۲/۴۵۵

۱۴۔قیصر زمان،ڈاکٹر،اقبال کی شاعری میں استعارے کا نظام،یارڈ پرنٹنگ پریس،لاہور،۲۰۲۲،ص۵۶/۵۸

۱۵۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۷۰۱/۷۰۲

۱۶۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۲۲۹/۲۳۲

۱۷۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۱۷۱

۱۸۔عابد علی عابد،سید،شعر اقبال،بزم اقبال،لاہور،۱۹۷۷ء،ص۱۱۰

۱۹۔محمد اقبال،کلیات اقبال،(اُردو)،ص۲۰۱